قرآن کا تصوّرِ علم

ڈاکٹر سید مسعود احمد صاحب

(۲)

علم کی اہمیت علم کی اہمیت کا اندازہ اس تاریخی واقعہ کی روشنی میں آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی ہی میں خالقِ کائنات نے اپنے تعارف کے ساتھ علم کی اہمیت بیان فرمائی اور اس کے ذرائع کا مختصر تعارف بھی کرایا۔ (العلق ۱ تا ۵) اور اس نبی اُمی (الجمعہ : ۲) کو کلمۂ "اقرأ" کی خلعتِ نبوت سے نوازا گیا جس نے کسی مدرسہ میں یا کسی معلم سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ پانچ جملوں کی اس چھوٹی سی وحی میں دو بار پڑھنے (اقرأ) اور تین بار جاننے (علم) کا ذکر فرمایا۔ مزید برآں اس کتابِ ہدایت کا اسمِ ذاتی ہی "قرآن" (الانعام : ۱۹[1]) یعنی پڑھی جانے والی چیز رکھا گیا۔ اور اس کتاب کو العلم (البقرہ : ۱۲۰[2]) سے تعبیر کیا گیا۔ علم کی اہمیت اجاگر کرنے کی غرض سے اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے نام بھی قرآن کے لیے استعمال کیے گئے۔ مثلاً حکمت (بنی اسرائیل : ۳۹ - الاحزاب : ۳۴) ہدیٰ (البقرہ : ۲ - ۹۷، ۱۸۵[3]) - برہان (النساء : ۱۷۴) کلام (التوبہ ۶، الفتح : ۱۵) ذکر

[1] مزید دیکھیں یونس : ۳۷، یوسف : ۳، بنی اسرائیل : ۹

[2] نیز ملاحظہ ہو آل عمران : ۶۱ - الرعد - ۳۷

[3] مزید دیکھیں آل عمران : ۱۳۸، المائدہ : ۴۶، الانعام : ۱۵۷، القصص : ۴۳

وغیرہ (الحجر: ۹)[1]۔ ظاہر ہے کہ یہ علم ہی کی مختلف شاخیں ہیں۔ قرآن نے معلّمِ دوراں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمیوں میں بعثت کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ وہ اُن کے درمیان اللہ کی آیات کی تلاوت کریں، علم و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کا تزکیہ کریں۔ (آلِ عمران: ۱۶۴)[2]

اسلام نے لوح (البروج: ۲۱، ۲۲) اور قلم (القلم: ۱) کا تصور دیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور قوانین محفوظ کی جاتی ہیں۔ یہ تصور آپ کو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گا۔ علاوہ بریں ام الکتاب (الزخرف: ۴)[3] اور کتاب مبین (یونس: ۶۱)[4] کی شکل میں زمین و آسمان کے جملہ علوم پر حاوی کتاب کا تصور بھی قرآن ہی کی دین ہے۔ اسی اسلامی تصور کو مستعار لے کر دنیا میں انسائیکلوپیڈیا کا خیال پیدا ہوا۔ جسے اس اُم الکتاب سے نسبت قطرہ اور سمندر کی بھی شاید نہ ہو۔

آخر کوئی وجہ ہی تو تھی جس کی بنیاد پر اس علیم و بصیر ذات نے "قلم" اور جو کچھ لکھا جا رہا تھا اس کی قسم کھائی اور ایک صورت کا نام ہی قلم رکھوا دیا۔ (القلم) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک "علیم" فرزند کی بشارت دی گئی۔ (الذاریات ۲۸، الحجر: ۵۳) اس نعمتِ خداوندی کا اندازہ اس آیت پاک سے بھی لگایئے کہ جس میں نبی اکرمؐ کو منعمِ حقیقی نے حکم دیا کہ آپ ہم سے علم میں اضافے کی دعا مانگیے۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

قرآن کا علمی طرزِ استدلال تو ہر قاری پر روزِ روشن کی طرح ہر صفحہ قرآن سے عیاں ہو ہی جاتا ہے جس کی تردید اس کے دشمن بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارا مقصد تو یہاں اس کے ذخیرۂ دلائل میں سے چند ایک کے ذریعے علم کی اہمیت بیان کر دینا ہے۔ غور فرمایئے کہ قرآن ایک جگہ بایں الفاظ اپنے استدلال کی بنیاد اُٹھاتا ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ مزید

---

[1] مزید دیکھیں۔ النحل: ۴۴، الانبیاء: ۵۰، یوسف: ۱۰۴، الطلاق: ۱۰

[2] مزید دیکھیں: الجمعہ: ۲، البقرہ: ۱۰۱

[3] مزید دیکھیں: الرعد: ۳۹، فاطر: ۱۱

[4] مزید دیکھیں: ہود: ۶، الانعام: ۳۸، النحل: ۸۹

قرآن فرماتا ہے کہ تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ لو (الانبیاء: ۷، النحل: ۴۳) مشرکین کے لایعنی رسوم و رواج اور بے سروپا عقائد کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ لوگ ظن و تخمین کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے پاس ان غلط عقائد و اعمال کی کوئی علمی سندِ جواز نہیں۔ (النساء: ۱۵۷) ایک مقام پر اُن کے سامنے یہ چبھتا ہوا سوال بھی پیش کر دیا گیا کہ کیا یہ اپنے آباواجداد کی تقلید تب بھی کرتے رہیں گے جب کہ اُن کے بزرگ نہ کوئی علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (المائدہ: ۱۰۴) پر زور علمی استدلال کی ایک ناقابلِ تردید دلیل بھی ملاحظہ ہو جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہو تو ہمارے سامنے لاؤ۔ (الانعام: ۱۴۸)

اجتماعی زندگی میں سب سے اہم مسئلہ قیادت کا ہوتا ہے۔ قرآن قیادت کی اہلیت کے لیے علم کی بالاتری قائم رکھتا ہے۔ (البقرہ: ۲۴۷) معاشرتی معاملات میں اس کی ہدایت ہے کہ آپس میں لین دین قرض اور معاملات کو ضبطِ تحریر میں لے آؤ اور لکھنے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ لکھنے سے پہلو تہی نہ کیا کریں (البقرہ: ۲۸۲) علم کی فضیلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رب العٰلمین نے سرورِ کائنات کو یہ حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں جن کو علم نہیں (الجاثیہ-۱۸) اور جاہلوں سے اعراض کریں (الاعراف-۱۹۹) حضور اکرمؐ کے توسط سے عام لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہ ہو اس کا پیچھا نہ کیا کرو کیونکہ کان، آنکھ اور دل و دماغ کے سلسلہ میں ہر شخص سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (بنی اسرائیل-۳۶) اگرچہ علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کا اہتمام کرنا ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس حکم پر عملدرآمد کی صورت ایسی تجویز کی گئی ہے کہ فروغِ علم کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کی دوسری سرگرمیاں بھی جاری رہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ سارے کے سارے بیک وقت تحصیلِ علم کے لیے نکل کھڑے ہوں، ایسا کیوں نہ ہو کہ اُن کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل آئیں اور دین کی سمجھ پیدا کرنے کے بعد واپس جا کر اپنے ہاں کے لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچا کریں۔ (التوبہ-۱۲۲)

علم کی قوت

علم کی قوت اس واقعہ سے بھی اُجاگر ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک طاقتور جن نے ملکہ سبا کے تخت کو سینکڑوں میل سے ان کے دربار کی برخاستگی سے قبل لانے کی پیش کش کی تو ایک شخص نے، جسے علمِ کتاب سے نوازا گیا تھا اس جن کو چیلنج کر دیا اور کہا کہ میں اس تخت کو پلک جھپکنے سے قبل لا سکتا ہوں۔ اتنا کہتے ہی وہ تخت حضرت سلیمان کے سامنے تھا۔ (النمل: ۴۰) نزولِ قرآن کے وقت قرآن کا پیش کردہ یہ واقعہ بے شک ایک ناقابلِ تصور عجوبہ تھا۔ مگر آج انسان کے علم و عقل کے مظاہر راکٹ، ہوائی جہاز، بجلی، ریڈیو، ٹیلی وژن، ایٹمی اور نیوکلیر مشینوں وغیرہ کی موجودگی میں یہ واقعہ اب ناممکنات کی سرحدوں سے نکل کر ممکن الوقوع ہو گیا ہے بس فرق اتنا ہی ہے کہ ہمارے سائنس دان علمِ ظاہر سے تو بے شک بہرہ ور ہیں، مگر علمٌ من الکتاب (النمل: ۴۰، الرعد: ۴۳) کی ناپید اکنار قوتِ تسخیر سے نابلد ہیں اس وجہ سے ایسے ناممکن الوقوع واقعات تک کو غیر سائنٹیفک کہہ کر رد کر دیتے ہیں انہیں تامل نہیں ہوتا۔ یہ خود ایک غیر سائنٹیفک انداز ہے جس سے علم کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔

علم کی اقسام

مختلف پہلوؤں سے علم کی متعدد اقسام ممکن ہیں۔ ہم یہاں چند نمایاں پہلوؤں کی روشنی میں بحث کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جبلی اور شعوری (البقرہ: ۳۱)[۱] دونوں قسم کے علوم سے نوازا ہے جن کو وہبی اور کسبی علوم کے نام سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ وہبی علوم کے ذیل میں علمِ نبوت و معرفت، (مریم: ۳۰، ۵۱، ۵۴)[۲]۔ علم لدنی (الکہف - ۶۵) علم فجور و تقویٰ (الشمس: ۸) وغیرہ رکھے جا سکتے ہیں۔ یہ علوم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو پہنچتے ہیں۔ ان علوم میں انسانی کسب و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ الہام و مکاشفہ اور رؤیا کو وہبی علوم میں رکھنا بحث طلب مسئلہ ہے۔ جوگیانہ مشقوں سے بھی اسی قسم کا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے لہٰذا اِن خوارقِ عادات میں انسانی کسب و ارادہ اور القاء شیطانی کا بہت امکان ہے۔ علمِ وحی، علمِ لدنی وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت کا ذمہ ہے لہٰذا یہ شیطانی حربوں سے پاک ہیں۔ (الجن: ۲۶، ۲۸)

۱۔ مزید دیکھیں العلق: ۴، ۵ - الشمس: ۸

۲۔ مزید دیکھیں الاعراف: ۱۵۸ - الزخرف - ۶

علومِ کسبی حواسِ خمسہ کے ذریعے یا کچھ آلات کی مدد سے نیز دو انسانوں کے تعامل یا انسان و کائنات کے تعامل سے انسانی عقل و شعور اور محنت و مشقت کے مطابق ملتے ہیں۔ عقل و شعور سے یہاں ہماری مراد قوتِ استنباط ہے جو سراسر عطیۂ خداوندی ہے۔ ان علوم کے قریبی ماخذ اور ذرائع آنکھ، کان، فواد (بنی اسرائیل: ۳۶، المومنون: ۸)، غور و فکر[1]، سیر و سیاحت مع الفکر (العنکبوت: ۲۰)[2] قصص و تاریخ سے عبرت پذیری (الاعراف: ۱۷۶) وغیرہ ہیں[3]۔

کسبی علوم کے دنیا پر اثرات کی نسبت سے مزید تین قسمیں کی جا سکتی ہیں:

۱- علومِ خیر مثلاً قرآن و حدیث کا علم یعنی علومِ نبوت کو صاحبِ وحی سے بالواسطہ یا براہ راست حاصل کرنا۔ ان کو علومِ محمود وہبی کہا جا سکتا ہے۔ ان علوم کا حاصل کرنا فرضِ عین اور ان میں دسترس حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

۲- علومِ فتنہ جن میں تمام دنیوی علوم آجاتے ہیں۔ نیز علومِ خیر کو بدنیتی سے حاصل کرنا یا ان کے معانی و مفاہیم میں افراط و تفریط سے کام لینا بھی فتنہ کا موجب بن جاتا ہے۔ گویا ہر علم موجبِ فتنہ اور ذریعہ آزمائش ہے۔ البتہ اس کے حاصل کرنے میں خیر و شر اس بات پر منحصر ہے کہ طالب علم اور صاحبِ علم اس کو کس نیت سے اور کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

۳- علومِ شر مثلاً سحر، علمِ نجوم، علمِ قیافہ وغیرہ ان کو سیکھنا، سکھانا غلط ہے اور یہ علوم مذموم ہیں، کیونکہ یہ شیطان کے القاء کا نتیجہ ہیں اور اس کے حواریوں کے ذریعے فروغ پاتے ہیں نیز دنیا میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔

علم کے حصول و استعمال کے لیے بنیادی ہدایتیں

اسلام نے ہمارے خیال میں علم کے لیے چار بنیادیں فراہم کی ہیں۔ توحید، رسالت، آخرت اور خلافت۔

علم کا توحیدی نظریہ یہ ہے کہ تمام علوم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے (العلق: ۴، ۵- الرحمٰن: ۲)

---

[1] حٰم السجدہ: ۵۳، ۵۴- الذاریات: ۲۰ تا ۲۳- البقرہ: ۱۶۴- آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱- الاعراف: ۱۹۱

[2] مزید دیکھیں النحل: ۳۶- فاطر: ۴۴- الروم: ۹، ۴۲- مومن: ۲۱- الانعام: ۱۱

[3] مزید دیکھیں المائدہ: ۲۷ تا ۳۰- ہود: ۱۰۰- یوسف: ۳- ۱۱

اس نے تخیرِ کل کے تحت ہی تمام علوم کو ظہور بخشا ہے۔ لہٰذا علوم کو حاصل کرنے کا مقصد صرف معرفتِ خداوندی اور خشیتِ الٰہی پیدا کرنا (فاطر: ۲۸)[1] اور انسانوں کی فلاح اور کائنات کے توازن و تعمیر کے لیے استعمال کرنا ہے۔ یہ استخراج وحدتِ اِلٰہ (البقرہ: ۱۶۳)[2] وحدتِ انسانیت (الحجرات: ۱۳)[3] اور وحدتِ علم (العلق: ۴، ۵)[4] اور وحدتِ کائنات (الملک: ۳)[5] پر مبنی ہے اور یہی قرآن کا جامع تصور ہے۔ بالفاظِ دیگر توحیدی نظریۂ علم کی رُو سے علم کا ابتدائی سرا اللہ کی ذات اور آخری سرا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے یعنی اس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی تخلیقات میں نظامِ خداوندی کو قائم رکھنا۔

رسالت کا عقیدہ علم کے سلسلہ میں یہ بنیاد فراہم کرتا ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست علم دیا اور اُس علمِ حقیقی و یقینی کو بذریعہ وحی بھیجا (الاعراف: ۳۵)[6]۔ رسول ہی سفرِ حیات میں سیدھے راستہ کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ (الاعراف: ۳۵)[7] علمِ نبوت ہی حق اور لاریب ہے (الاعراف: ۴۳، النمل: ۷۹) ۔ یہ عقیدہ تمام علومِ دُنیوی اور علومِ اُخروی، علومِ ظاہر اور علومِ باطن، علومِ طبیعیات اور علومِ ما بعد الطبیعیات وغیرہ کو علمِ وحی کے تابع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی رُو سے علمِ حقیقی براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے جب کہ انسان اپنی طرف سے تخمین و ظن اور ضد و تعصب کی بنیاد پر بہت سے فلسفے اور راستے متعین کر لیتا ہے (النمل: ۹) اور ان بے لگام کسبی علوم کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد کا موجب بنتا ہے۔ (الروم: ۴۱)

---

۱ نیز ملاحظہ ہو بنی اسرائیل: ۱۰۷ - الحج: ۵۴

۲ مزید ملاحظہ ہو النساء: ۱۷۱ - یوسف: ۳۹ - الرعد: ۱۶ - ابراہیم: ۴۸

۳ مزید دیکھیں البقرہ: ۲۱۳ - النساء: ۱

۴ مزید ملاحظہ ہو الرحمٰن: ۲

۵ مزید دیکھیں - الانعام: ۷۳ - الانبیاء: ۳۳

۶ مزید دیکھیے ہود: ۲۸ - النحل: ۲

۷ مزید دیکھیے ہود: ۲۸ - النحل: ۲

یہ رسولؐ ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کونسا علم محمود ہے اور کونسا مذموم، بلکہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ حکمت و بصیرت کی باتیں سکھائے (آل عمران: ۱۶۴) اور حق و ناحق کے درمیان تمیز کر دے، نیز بُرے اعمال کے بُرے انجام اور اعمالِ حسنہ کے بہترین نتائج سے انسانوں کو آگاہ کر دے (الکہف: ۵۶)

رسالت کے ضمن میں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین محمد رسول اللہؐ کے ذریعہ مکمل کر دیا ہے[1] اور شریعتِ محمدی کی یہ خصوصیت ہے کہ ہدایت کے باب میں یہی عالم گیر قانونِ حیات ہے اور نبی اکرمؐ ہی تمام عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں[2]۔

آخرت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے کسب کا خود ذمہ دار ہے (البقرہ: ۱۴۱[3]) اس کو اپنے علم و عمل کا ایک روز حساب دینا ہے۔ (الاعراف: ۶)[4] لہٰذا ہر علم کو آخروی فلاح کی نیت سے حاصل کرنا چاہیے۔ اور اس کا استعمال بھی اسی راہ میں ہونا چاہیے، جس میں فلاحِ آخرت کی ضمانت ملتی ہو۔ اسلام میں فلاحِ آخرت کی بنیاد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائگی پہ رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ علم کو معرفتِ خداوندی اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری کے لیے حاصل کیا جائے اور اللہ کے بندوں کا یہ حق ہے کہ ہر علم کے حصول و استعمال کا مقصد تعمیرِ انسانیت، بہبودِ خلائق اور معاشرہ میں عدل و انصاف کا قیام ہو۔

منکرینِ آخرت اور مومنین میں علم کے پہلو سے ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ منکرینِ آخرت دنیوی کامیابی اور مفاد کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور وہ علم ظاہر یعنی علومِ مادی سے آگے نہیں بڑھتے جب کہ فلاحِ آخرت کے لیے علومِ غیب اور علومِ روحانی کی بھی ضرورت

---

[1] المائدۃ ـ ۳

[2] الاعراف: ۱۵۸ ـ الانبیاء: ۱۰۷ ـ

[3] مزید دیکھیں یونس: ۴۱ ـ القیامہ: ۳۶ ـ بنی اسرائیل ۱۵، ۳۶ ـ الاعراف: ۶

[4] مزید دیکھیے الانبیاء: ۴۷ ـ الزلزال: ۷، ۸ ـ البقرہ: ۲۸۴ ـ النجم: ۳۹، ۴۰

ہے۔

خلافت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے (البقرہ: ۳۰)[1]۔ وہ امانتِ الٰہی کا حامل ہے (الاحزاب: ۷۲) اس کو خلافتِ ارضی کی گوناگوں ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے ہی علم عطا ہوا ہے۔ (البقرہ: ۳۰، ۳۱) وہ اشرف المخلوقات ہے (ص: ۷۵)[2] اور تسخیرِ کائنات کا اہل ہے (لقمان: ۲۰)[3] اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کائناتی علوم کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ (حم السجدہ: ۵۳ — العنکبوت: ۴۹) اسے علم و بصیرت، حکمت اور تفقہ جیسی صفات اسی لیے عطا کی گئی ہیں کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری و نافذ کرے۔ ارتقاءِ خودی اور کائنات و انسان کے درمیان بہترین ہم آہنگی کے اصولوں پر علوم کی بنیادیں قائم کرنا ہی خلیفہ ارضی کے شایانِ شان ہے۔

علم کے اسلامی اور غیر اسلامی تصور میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اسلام علم کے دونوں سرے (ENDS) اور اس کی سمت متعین کرتا ہے جب کہ غیر اسلامی نظریات میں نہ تو علم کے متعین کنارے ہیں اور نہ حقیقی فلاح کی جانب سمتِ سفر "علم برائے علم" اور "ہر علم محمود و مستحسن" ان کے نعرے ہیں۔

مندرجہ بالا اسلامی بنیادوں کی روشنی میں، قرآنی اقدار سے مزین اور علم وحی سے سیراب و مستفاد علم "العلم" کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ورنہ قرآن مجرد علم کو سندِ عظمت عطا نہیں کرتا چنانچہ اس کے نزدیک اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ نفسِ علم[4] اور علم کا استعمال دونوں صحیح ہوں۔

---

۱ مزید ملاحظہ ہو، الانعام: ۱۶۶ — فاطر: ۳۹

۲ ملاحظہ ہو، البقرہ: ۳۴ — بنی اسرائیل: ۷۰ — التین: ۴

۳ مزید ملاحظہ ہو، الجاثیہ: ۱۳ — النحل: ۱۲، ۱۴

۴ مزید دیکھیں: البقرہ: ۲۱